باتیں اُن کی یاد رہیں گی

پاکستان کا مستقبل اور ۱۹۷۳ء کا دستور

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا ۲۳ فروری ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی سے خطاب

دستور کا مسئلہ ہر ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہے
صدر اور وزیر اعظم کا محاسبہ ضروری ہے

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب سپیکر! مجوزہ دستور کا جو مسودہ ہے اس کے متعلق مختصراً کچھ عرض کرنے سے پہلے اتنی گزارش ہے کہ کسی ملک کا آئین اس ملک کی موت وحیات کا مسئلہ ہوتا ہے۔

دستور کا مسئلہ ہر ذاتی اور سیاسی مفاد سے بالاتر ہے۔

آئین کے ذریعہ افراد کے حقوق، رعایا کے حقوق باشندگان ملک کے مفادات اور حکومت کی بالادستی وغیرہ تمام امور کی تعیین ہوجاتی ہے تو دستور نہ کسی فرد کا مسئلہ ہے نہ کسی جماعت کا، نہ کسی خاص شہر مخصوص دیہات کا مسئلہ ہے نہ کسی ایک صوبے کا، بلکہ یہ کل قوم اور ملک کا مسئلہ ہے۔ تمام پاکستانی قوم کا مسئلہ ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر نہایت تحمل اور تدبر سے غور کیا جائے۔ اس کے لیے مناسب فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور ایوان وملک میں روایتی کشیدگی نہ ہونی چاہیئے۔ آپس میں مفاہمت اور محبت کی صورت میں پورے دستور کے صفحات پر غور ہوسکتا ہے۔ میرے ایک بھائی جتوئی صاحب (جناب عبدالحمید جتوئی نے اس سے قبل تقریر کی تھی) نے بہت ہی اچھے الفاظ میں بعض چیزوں کی نشان دہی کی ہے کہ اس وقت جو فضا پیدا کی گئی ہے کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ یہ جو ناموافق فضا ہے یہ بدل جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئین کی ہر دفعہ پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کیا جاسکے گا۔ یہ تو تمہیدی طور پر گزارش تھی جو میں نے پیش کی۔

پاکستان سوشلزم کے لیے نہیں بنا

دستور کے متعلق یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا دستور سوشلزم کے اصولوں پر ہوگا (ایک معزز رکن جھونک کے دوران بعض اراکین نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے تھے) اس لیے کہ ہمارے منشور میں یہ چیز واضح طور پر موجود ہے تو میں آپ سے یہ عرض کروں گا کہ سوشلزم تو نعرہ ہے پیپلز پارٹی کا اور دستور کسی ایک پارٹی کے لیے نہیں بن رہا بلکہ یہ پورے پاکستان کے لیے بن رہا ہے جس کے باشندے یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دوسری طرف آپ سوشلزم کی بنیاد رکھ رہے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ یہ ملک پورے طور پر اشتراکی بن جائے۔ ان سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ آئین پورے پاکستان کے لیے بن رہا ہے۔ اسے ہم پاکستانی قوم کے لیے بنا رہے ہیں یا کسی پارٹی کے لیے؟

یہ آئین نہ میری جماعت (جمعیۃ علماء اسلام) کا ہے نہ پیپلز پارٹی کا ہے نہ نیشنل عوامی پارٹی یا مسلم لیگ کا ہے بلکہ پوری مسلمان قوم کے لیے ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ چونکہ ہماری پارٹی کا منشور ہی سوشلزم ہے اس لیے ہم اپنے منشور کے مطابق آئین بنائیں گے تو میری رائے میں یہ بڑی زیادتی ہوگی۔

© rasailojaraid.com

قیام پاکستان کی بنیاد اسلام

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت برصغیر کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت میں ہندوستان میں تھا۔ یو پی کے مسلمان، بہار کے مسلمان، سی پی کے مسلمان۔ ان سب مقامات کے مسلمانوں سے میری ملاقاتیں ہوتی تھیں اور قائداعظم بھی وہاں تشریف لاتے تھے۔ ان مسلمانوں سے جب یہ دریافت کیا جاتا کہ تم تو اقلیتی صوبوں کے مسلمان ہو، تمہارے لیے پاکستان بننے میں کیا فائدہ ہوگا۔ تم تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ تو مجھے خوب یاد ہے کہ چھ سات کروڑ مسلمان جو وہاں موجود ہیں انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اکثریت کے صوبوں میں پاکستان کی شکل میں اسلام کا مینار بلند ہو، جہاں اسلامی معاشرہ ہو اسلامی تمدن ہو جہاں اسلامی معیشت ہو۔ اگر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ قائداعظم کہتے ہیں تو ہماری یہ جانی و مالی قربانیاں یہ سب کچھ اسلام کے قیام دبقاء کی خاطر کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہیں اور جب اس قربانی کے صلہ میں یہاں پر اسلامی نظام قائم ہو جائے تو ہمیں قیمت وصول ہو جائے گی۔

مجھے یہ بات خوب یاد ہے کہ قائداعظم سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپ جو پاکستان بنا رہے ہیں وہ علاقہ تو مسلمانوں کی اکثریت کا ہے لہٰذا یہ اقلیت والے مسلمان کیا کریں گے۔ تو ایک دفعہ ان کی زبان سے یہ نکلا کہ میں ان کا جنازہ اسلام کے لیے پڑھ چکا ہوں۔ حقیقت یہ ہے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہم ان کا جنازہ پڑھ چکے ہیں اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس کے بدلے ہم کو اسلامی نظام مل جائے گا لیکن یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ آج ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارے دستور میں سوشلزم ہو۔ کیا پاکستان سوشلزم کے لیے بنا تھا؟ اگر پاکستان سوشلزم کے لیے بننا تھا تو پھر ہزاروں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں کو غلام بنانے کی کیا ضرورت تھی اور ہزاروں آدمی جو قتل اور شہید ہوئے اور عورتوں کی عصمتیں غیر محفوظ ہوئیں پھر اس کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ سب کچھ سوشلزم کے لیے ہو رہا تھا۔ یہ مقصد تو متحدہ ہندوستان میں بھی حاصل ہو سکتا تھا۔

اسلام سرکاری مذہب کی دفعہ اور اس کے تقاضے:

ہمارے اس دستور میں ایک دل خوش کن بات یہ ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔ میرے ایک بھائی (چوہدری ظہور الٰہی صاحب) نے آج کے اجلاس میں ایک جملہ کہا تھا کہ اس دفعہ کی کیا ضرورت تھی اور اس کا کیا فائدہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہاں کا مذہب سرکاری سطح پر اسلام ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب اسی کا کل نافذ کرنا ہوگا۔ مذہب کا معنی ہے طریقہ، راستہ، کسی طریقے پر چلنا۔ تو حکومت کس طریقے پر چلے گی؟ اسلام کے طریقے پر چلے گی یا کسی اور طریقے پر۔ یعنی ہمارے چلنے کا، ہماری زندگی کا، ہمارے طرز حکومت کا، ہماری پالیسی کا جو راستہ ہوگا وہ کیا ہوگا اور دیکھئے جن جن ملکوں میں ان کے اپنے نظریات کے مطابق حکومتیں ہیں۔ جیسے روس میں اشتراکیت کا نظام ہے اور وہ سرکاری سطح پر ہے تو وہاں تمام ملک میں کوئی شخص ایسی تقریر نہیں کر سکتا جو اشتراکیت کے خلاف ہو۔ وہاں کوئی سرمایہ دارانہ نظام کی بات نہیں کر سکتا۔ سرمایہ داروں کی تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہاں اشتراکیت حکومتی سطح پر ہے۔ تو یہ بڑی بات ہے اور بڑی اچھی تجویز ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ تو میں یہ عرض کروں گا کہ یہ عنوان ہے تو بڑا خوش آئند لیکن اسی عنوان پر اکتفا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا اور فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمارے ملک میں لادینی نظام ہوگا یا اسلامی نظام ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص لادینی نظام کو نہیں چاہتا۔ ہم جب اپنا نظام چاہتے ہیں جس کا عنوان ہے کہ سرکاری مذہب اسلام ہوگا تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے ملک میں اگر کوئی تبلیغ اگر کوئی تقریر یا تحریر سرکاری مذہب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف کرے گا تو وہ شخص باغی تصور کیا جائے گا۔ تو مجھے اس اچھی بات پر یہ کہنا ہے کہ آیا صرف نام پر ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہوگا، کیا یہ کافی ہوگا؟ اس کے اعمال بھی تو بتائیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اسلام کے تقاضے کیا ہیں ان پر بھی غور کرنا ہوگا۔ صرف اسلامی نام رکھ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

اسلامی کونسل کی حقیقت

اس کی صورت یہ ہے کہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ سے چور دروازوں کے ذریعے اسلام کے خلاف قوانین بننے کی راہیں بند کی جائیں۔ دفعہ ۲۲۷ میں ہے: اس ملک میں کوئی قانون اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنے گا کیا اس کے مجوزہ طریق کار کے مطابق یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لیے اگلی دفعات کو مؤثر بنانا ہوگا۔ اسے اس طرح مضبوط کرنا ہوگا کہ فرار کے راستے بند ہو سکیں، چور دروازوں کی گنجائش نہ رہے۔ مجھے ان دفعات کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں ہوگا تو اگر کسی صوبائی یا مرکزی ایوان میں ایسا کوئی قانون بن جائے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو تو کیا عوام کو یا اس ملک کے باشندوں کو یہ حق ہوگا کہ اسے عدالت میں چیلنج کر سکیں اور وہاں یہ کہا جا سکے کہ فلاں دفعہ قرآن و سنت کے خلاف بنی ہے تو اس آئین کی رو سے اسے کالعدم قرار دیا جائے اور یہ ضمانت دی جائے کہ کوئی قانون اگر قرآن و سنت کے خلاف اس ملک میں بنا تو اس کی چارہ جوئی کے لیے ہم عدالت تک جا سکیں اور اسے ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کالعدم قرار دیا جا سکے لیکن موجودہ آئین میں یہ تحفظ نہیں دیا گیا ہے بلکہ زیادہ حصہ ہیرا پھیری کا ہے۔ اس میں یہ تو کہا گیا ہے کہ اگر کوئی قانون اسمبلی میں پیش ہو تو اس کے لیے ہم ایک اسلامی کونسل بنائیں گے۔ اگر متنازعہ قانون ہو تو ہم اسلامی نظریات کی کونسل کے پاس اس قانون کو بھیجیں گے۔ تو اسلامی کونسل کے سلسلے میں چند باتیں ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ جو اسلامی کونسل اس مسودہ میں تجویز کی گئی ہے اس کے افراد زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہو سکتے ہیں جن میں دو جج ہوں گے، چار علماء دین ہوں گے۔ اب یہ اسلامی کونسل جو ان قوانین کا فیصلہ کرے گی اور وہ یہ کہ آیا یہ اسلامی قوانین ہیں یا نہیں۔ تو ظاہر بات ہے کہ اس کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ تو وہ کر سکتا ہے جو اسلام کا ماہر ہو۔ لیکن جیسا کہ اس میں کہا گیا ہے کہ اس کونسل میں پندرہ ارکان ہوں گے جن میں سے دو ہائی کورٹ کے جج ہوں گے جو انگریزی قوانین کے ماہر ہوں گے اور چار علماء ہوں گے اور مابقی کے متعلق کچھ نہیں ذکر کہ وہ کون ہوں گے۔ تو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اکثریت کس کی ہوگی۔

عبدالحفیظ پیرزادہ: مولانا! چار نہیں۔ کم از کم چار علماء ارکان لکھا ہے۔

مولانا عبدالحق: بہر حال اس کی حد متعین ہونی چاہیے کہ کونسل کی اکثریت صرف علماء ارکان کی ہونی چاہیے۔ چونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہم دل سے ارادہ کیے ہوئے ہیں کہ اس ملک میں اسلامی قانون رائج کیا جائے تو کم سے کم یہ تو کیا جائے کہ جیسے اگر اسمبلی کو کوئی فنی مسئلہ پیش ہوتا ہے تو اس کے لیے فنی ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے کہ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی کونسل کے ممبران کی اکثریت ماہرینِ دین یعنی علماء کی ہونی چاہیے۔ اگر یہ چیز اس میں رکھ دی جائے۔

ڈپٹی سپیکر: علماء، کم از کم چار ہیں۔ (زیادہ کی بھی گنجائش ہے)۔

مولانا عبدالحق: مابقی کی تعداد معلوم ہونی چاہیے جو کونسل کے اندر اس کی مخالفت نہ کریں۔ ممکن ہے کہ اگر اور ارکان اس کی مخالفت کریں، غلط فیصلہ کریں تو اکثریت کی بنیاد پر وہ علماء کی رائے کو مسترد کر دیں گے۔

پھر آئین میں یہ ہے کہ گورنر، صدر یا اسمبلی یہ کہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاں قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لیے بھیج دیا جائے تو اسے بھیجا جائے گا، لیکن اگر فرض کیجئے کہ صدر یا گورنر یا اسمبلی نے اُسے ضروری نہ سمجھا تو وہ کونسل کے پاس نہیں جائے گا اور اس پر اسمبلی ہی میں فیصلہ ہوگا اور قانون وضع کر لیا جائے گا اور اگر اسمبلی کے صوابدید پہ چھوڑ دیا گیا تو فیصلہ اسمبلی کی اکثریت پر ہوگا اور اسمبلی اکثریت اگر یہ کہے کہ ہم اسے اسلامی کونسل میں نہیں بھیجنا چاہتے تو اقلیت میں جو لوگ ہیں وہ اگر کونسل میں بھیجنا چاہیں تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ ایسی صورت میں۔

ڈاکٹر مبشر حسن: جناب اسلامی کونسل کے پاس ایوان بھی بھیج سکتا ہے۔ صدر اور گورنر بھی بھیج سکتا ہے۔

مولانا عبدالحق: تو بہر حال ایوان کے بھیجنے کی صورت میں تو اکثریت کے اعتبار سے ہوگا اور اگر اکثریت نہ بھیجنا چاہے تو معاملہ یہیں رہے گا اور ممکن ہے کہ ایوان خلافِ دین فیصلہ کر دے۔ دوسری بات یہ ہے فرض کیجئے کہ گورنر صاحب نے، صدر صاحب نے یا اسمبلی نے اسلامی کونسل کے پاس مشورہ کے لیے کوئی قانون بھیج کر معلوم کرنا چاہا کہ یہ خلاف قرآن وسنت ہے یا نہیں؟ وہاں تو بھیج دیا گیا، مگر یہاں مسودہ میں ہے کہ اگر اسمبلی یا حکومت سمجھتی ہے مفاد عامہ کی خاطر تو جواب آنے سے قبل ایوان میں قانون وضع کر لیا جائے گا۔ تو گویا کونسل کے مشورے کے آنے کا انتظار نہیں ہوگا اور "مفادِ عامہ" کے نام سے اسے نافذ کر دیا جائے گا۔ قانون بنالیا جائے گا۔ تو اس طرح پھر قرآن وسنت کے خلاف قانون وضع کرنے کا راستہ نکل آیا۔ چوتھی خرابی یہ ہے کہ اگر اسلامی کونسل، صدر یا گورنر کے پاس اپنی رائے بھیج دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ یہ خلافِ شرع ہے۔ تو مسودہ آئین میں یہ ہے کہ اسمبلی اس کے متعلق پھر غور کرے گی۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ جب مشورہ مل گیا ہے کہ یہ قانون خلاف قرآن وسنت ہے تو اسمبلی کا ازسرِ نو غور اس کے تابع و موافق ہونا چاہیئے یا نہیں؟ بلکہ ایوان اس پر نئے سرے سے غور کرے تو غور تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس مشورہ کو نہیں مانتے۔ اسمبلی، کونسل کے مشورے کی پابند نہیں۔ یہ صورت غلط ہے بلکہ اس کی دفعہ کو واضح کر لینا چاہیئے کہ اسمبلی اس فیصلے کے مخالف فیصلہ نہ کر سکے گی۔

اب یہاں یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ کیا ہم اسمبلی کے ارکان کو اسلامی کونسل کے تابع بنادیں اور اسمبلی پر اسے بالادستی کیوں کر دی جا سکتی ہے۔ اس کے جواب میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بنیادی حقوق کے بارے میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عدالت کی طرف رجوع کرے اور اگر کوئی جج کہہ دے کہ اسمبلی کا کوئی ایسا قانون بنیادی حقوق کے خلاف ہے تو وہ اسمبلی کا قانون کالعدم ہو جاتا ہے تو ایک جج جو سرکاری ملازم ہے اور ایک فرد ہے اور اس کی رائے میں اگر بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے تو اسمبلی کا فیصلہ کالعدم کر سکتا ہے تو اسلامی کونسل کے ایسے مشورہ سے کالعدم کیوں نہیں ہو سکتا (وہاں بالادستی کا سوال کیوں نہیں اٹھایا جاتا) دوسری بات یہ ہے کہ اسلامی کونسل تو قانون کی واضع نہیں۔ اس میں تو قرآن وحدیث کے ماہر ہوں گے۔ وہ تو صرف یہ بتائیں گے کہ یہ بات قرآن وحدیث کے مخالف ہے یا نہیں۔ تو کونسل کے ارکان وضع کرنے والے نہیں صرف ظاہر کرنے والے ہیں کہ فلاں قانون قرآن وسنت کے مطابق ہے یا مخالف۔ آج ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حکم مانتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں مُظہِر (ظاہر کرنے والا) کہتے ہیں نہ کہ واضع (بنانے والا)۔ جیسا کہ یہاں ہمارے ایک دوست میاں محمود علی قصوری کسی قانون کی تشریح کریں تو ہم انہیں واضع نہیں سمجھتے بلکہ صرف مطلب کا واضح کرنے والا ہے۔ مطلب میرا یہ ہے کہ اسلامی کونسل کی بالادستی درحقیقت قرآن وحدیث کی بالادستی ہے۔ اسے کیوں نہ مانا جائے۔ یہ تو نئی قانون سازی کے بارے میں تھا۔ سابقہ جتنے قوانین ہیں ان کو قرآن وسنت کے مطابق کرنے کے بارے میں کہا گیا کہ کونسل سات سال میں حتمی رپورٹ تیار کرے گی۔ گویا سات سال میں کونسل رپورٹ دے اور آخر میں آ کر ایوان یہ کہہ دے کہ ہمیں منظور نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ساری رپورٹ ردّی کی ٹوکری میں چلی جائے گی۔ (تو یہاں بھی اسمبلی کو اس رپورٹ کا پابند بنا دینا ضروری ہے)۔

ایک مخصوص بنچ ضروری ہے

تو اس کے لیے ایک ضمانت آئین میں یہ دینی چاہیئے کہ ایک عدالتِ عالیہ ہو۔ اس میں علماءِ کرام اور ماہرینِ شریعت اور دیگر ماہرین کا ایک مخصوص بنچ ہو جو اس بارے میں فیصلہ کر سکے۔

کوشش نہیں، ضمانت ضروری ہے

اس آئین میں کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کیے جائیں گے جس سے لوگ اس قابل بن جائیں گے کہ قرآن و سنّت کے مطابق ان کی تربیت ہو اور انہیں سمجھایا جائے گا کہ قرآن و سنت کے مطابق زندگی کیسی ہو۔ یہ تو منطقی الفاظ کا چکر ہے۔ قابلیت کے معنی تو امکان اور صلاحیت ہے اور وہ تو ہر وقت موجود ہے۔ ایسے اقدامات سے پہلے اگر ہم میں قابلیت نہ ہوتی تو ہم خدا کی جانب سے مکلف کیسے ہو سکتے تھے۔ یہی حال سمجھنے سمجھانے کا ہے اور قرآن و سنت کے مطابق زندگی کو سمجھنے والے تو آج بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ ننانوے فی صد مسلمان سمجھتے ہیں کہ سود برا ہے، زنا برا ہے، جوا برا ہے تو کیا "پالیسی کے رہنما اصول" میں یہ لکھنے سے کہ معاشرہ میں قابلیت پیدا کی جائے گی۔ مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ اسے عوام کی قابلیت، استعداد اور سمجھنے پر نہیں چھوڑنا چاہیئے، بلکہ لازمی قرار دینا چاہیئے۔

پالیسی کے رہنما اصول کی حیثیت

اس سے بڑھ کر خرابی یہ ہے کہ ان اصلاحات کو پالیسی کے اصول میں رکھا تو گیا ہے لیکن اس کی آئینی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ مسٹر جسٹس منیر نے کہا کہ جیسے لوگ انتخابات کے وقت اپنی پارٹی کے منشور کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں۔ یہی حیثیت آئین میں "پالیسی کے رہنما اصول" کی ہوتی ہے۔ قانوناً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

املاک کی جبری ضبطی اور ملکیت کی تحدید

آئین میں یہ بھی ہے کہ افراد کے حقوقِ مالیہ کا تحفظ ہو گا مگر یہ کہ اگر ضرورت ہو تو ضرورت کے وقت اس کی اجازت ہو گی کہ حکومت کسی ملکیت کی تحدید کرے یا اگر مفادِ عامہ کے لیے کوئی ضرورت ہو تو حکومت بلا معاوضہ بھی اموال کو لے سکتی ہے تو میں اتنی بات عرض کروں گا کہ اسی ضرورت کی بنیاد پر اگر ایک شخص جو بھوکا ہے۔ اس نے بچوں کے لیے کالج میں فیس دینی ہے اور اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو یہ شخص اسی ضرورت کی بنا پر کسی کی جیب کاٹتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے جیب کاٹی ہے تو اس پر آپ چوری کا قانون کیوں نافذ کرتے ہیں۔ وہ بے چارہ بلا عوض لیتا ہے مگر کیا اسے ضرورت نہیں؟ تو کیا ضرورت ہمیں چوری اور جیب تراشی کی اجازت دے سکتی ہے؟

میرے خیال میں جب ہم نے اسلامی آئین کو بنیاد بنا لیا ہے تو اس تسلیم شدہ بات کہ ہم اسلامی آئین بنائیں گے کا تقاضا ہے کہ ایسی دفعات ختم کر دینی چاہئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه۔ (مسلمان کی آبرو، مال، جان سب کچھ دوسروں پر حرام ہے) اور چلیئے ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ اموال چھین لیے جائیں، مگر اس میں یہ قید بہرحال لگانی چاہیئے کہ ناجائز اموال، انگریزوں کی دی ہوئی جاگیریں ظلم کے ذریعے حاصل کی گئی دولت ضبط کریں گے، لیکن ایسی صورت میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں گا کہ ایسے اموال ضبط کرنے کا حکومت کو حق ہے لیکن وہ بھی حکومت کو نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیں گے بلکہ اصل مستحقین اور حقداروں کو واپس پہنچا دیے ہوں گے جن سے چھینے گئے تھے۔ وہ لوگ مل سکیں تو ان کو دیے جائیں گے لیکن آپ عوام کی تعلیم اور مفادات عامہ کے لیے دوسرے کی املاک ضبط کرنا چاہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایک شخص کو زندگی دینے پر دوسرے کا گلا کاٹ دیں اور یہ انصاف نہیں اور پھر کیا مفاد عامہ کے لیے ہمارے بیت المال اور خزانہ میں اور طریقوں سے گنجائش نہیں نکل سکتی ہے؟ بہت سارا پیسہ ہماری عیاشیوں پر صرف ہوتا ہے۔ بڑی بڑی بلڈنگوں پر ہماری موٹروں پر، ہماری زیب و زینت پر خرچ ہوتا ہے اسے کیوں نہیں کم کرتے۔ تو ہم اسے کم کردیں۔ اس طرح بیت المال میں جو اموال جمع ہوں گے وہ محتاجوں پر خرچ کریں۔ دیکھیے حضرت عمرؓ کی کیا حالت تھی۔ قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کے مالک بنے۔ قبضہ میں دولت، خزانے اور تاج و تخت تھے لیکن حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے۔ دس دس پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر خطبہ دیتے ہیں اور زمین پر لیٹتے ہیں اور ایک دفعہ کھانا کھا رہے تھے تو ایک گورنر آیا۔ اسے بلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ کھائیے۔ اس نے کہا کیسے کھاؤں۔ یہ تو جَو کی روٹی ہے اور اس کا بھوسہ بھی نہیں نکالا گیا۔ تو کیسے نگلے گا۔ یہ تو گلے میں پھنس جائے گا۔ تو جو اموال حرام طریقے سے جوا، شراب کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں انہیں تو ضبط کیا جاسکتا ہے حلال اموال کو نہیں۔

ڈپٹی سپیکر: مولانا! آپ تشریف رکھیں۔ آپ نے کتنا وقت لینا ہوگا۔ کیا آج آپ تقریر ختم کرسکتے ہیں تھوڑے وقت میں (کیونکہ اسمبلی کا وقت نو بجے کو تھا) یا کل تقریر جاری رکھنا چاہیں گے؟

مولانا عبدالحق: اگر آپ دس منٹ بڑھا دیں تو ختم کردوں گا۔

ڈپٹی سپیکر: پھر آج ہی تقریر کو ختم کردیں (حزب اختلاف سے اصرار تھا کہ کل بھی جاری رہے گی تو سپیکر نے کہا) میرا خیال ہے کہ ممبر کی آزادی میں کوئی آدمی دخل نہ دے۔ دونوں طرف سے مولانا کی تقریر کا سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ مولانا کو تقریر کرنے دیں۔

پروفیسر غفور احمد: مولانا! یہ جَو کی روٹی والی بات ان کو اچھی نہیں لگی۔

مولانا عبدالحق: بہرحال میں دو باتیں آپ سے عرض کردوں کہ جو مال حرام طریقے پر انگریز یا کفاروں کو خوش کرنے کے ذریعے یا کسی اور طرح سے یا سود کی وجہ سے یا شراب کے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو۔ اسے لے لیجیے اور اگر کوئی اصل حقدار ہے تو اس کے حوالے کردیجیے۔ اگر مالک نہیں ملتا تو بیت المال میں رہے۔ مگر جو حلال آمدنی ہے وہ کسی طرح لینا جائز نہیں۔ دیکھیے یہ آئین تو ہم اس لیے بنا رہے ہیں کہ اس کے ذریعے لوگوں کو اطمینان دلائیں کہ تمہاری جان، تمہارا مال، تمہاری آبرو تمہاری عصمتیں محفوظ ہوں گی۔ تو جب اس آئین میں ہم نے ایسی دفعات رکھی ہیں تو گویا آئین میں آیا کہ ہم لوگوں کو کاٹیں گے۔ تو اس طرح حفاظت کب ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر آپ زمینیں بلا معاوضہ لینے کی دفعہ رکھیں گے تو جو مالک ہیں وہ پیداوار بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ زمین پر محنت نہیں ہوگی اور جب زرعی آمدنی کم ہوگئی تو ملک کیسے چلے گا؟ پھر لازماً کارخانے اور صنعتیں بھی اس سے متاثر ہوں گی۔

صدر اور وزیر اعظم کا محاسبہ ضروری ہے

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آئین میں یہ دفعہ بھی ہے کہ صدر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی شخص کے متعلق اگر سزائے موت کا حکم ہوا ہے تو صدر اسے معاف کرسکتا ہے۔ تو میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو صدر کو وزیر اعظم کا پرائیویٹ سیکرٹری بنا دیا گیا ہے۔ کوئی کام وزیر اعظم کی مرضی کے خلاف نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر معاملہ میں خاموشی سے دستخط کرے گا اور دوسری طرف اسے اتنا اختیار دیا گیا ہے کہ خدائی حدود اور اختیارات کے مقابلے میں بھی صدر کی پوزیشن اتنی بڑھا دی گئی کہ خدا کا حکم ہے کہ (ولکم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی القصاص حیوۃ یا اولوا الالباب کہ تمہیں قصاص سے زندگی ملے گی) خدا نے حکم دیا ہے کہ ایک شخص نے جرم کیا، قتلِ عمد کیا ہے۔ اس کو قتل کیا جائے۔ مگر کیا صدرِ مملکت خدا کے مقابلہ میں اتنا زور آور ہے کہ وہ کہے کہ میں معاف کر سکتا ہوں۔

مولانا مفتی محمود: مولانا! اور صدر کا یہ حکم بھی وزیراعظم کے بغیر نہیں چلے گا۔

مولانا عبدالحق: پھر تو دونوں مجرم ہوئے۔

ڈاکٹر مبشر حسن: پوائنٹ آف آرڈر سر! جناب والا! مفتی صاحب دخل اندازی کر رہے ہیں اور فاضل مقرر کو تقریر نہیں کرنے دیتے۔ فاضل ممبر کو ہدایات دے رہے ہیں۔ انہیں (مفتی صاحب کو) کہیں کہ ادھر منہ کر کے بیٹھیں۔

ڈپٹی سپیکر: اصل میں ہمارے علاقے کے دو نوں بڑے علماء ہیں جن کا علم ٹکرا رہا ہے۔

مولانا عبدالحق: (تقریر جاری رکھ کر) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جب مکہ معظمہ میں حکومت قائم ہوئی تو ایک قریشیہ عورت جس کا نام فاطمہ تھا اور بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کی۔ چوری کا ثبوت ہو گیا۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر رضؓ کے پاس گئے کہ آپ سے سفارش کریں۔ تو انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں کر سکتے حضرت اسامہ رضؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھے ان کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت اسامہ رضؓ کے پاس گئے اور انہوں نے جب حضورؐ سے سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی ناراضگی سے فرمایا:

(اتی حد من حدود اللہ کہ تم خدا کی حدود میں سفارش کرتے ہو) اس میں تو مجھے بھی کوئی اختیار نہیں کہ تخفیف کر دوں اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: خدا نے تمہیں حکومت دی کہ عدل و انصاف قائم کرو۔ تو آج جب خاندان کا معاملہ آیا تو تم نے سفارشیں شروع کیں۔ دیکھو تم سے پہلی قوموں کو بھی حکومتیں ملیں تو انہوں نے یہ کیا کہ حدود اور قصاص کو غریبوں پر تو نافذ کر دیا مگر اپنے خاندانوں اور شرفوں پر جاری نہ کیا تو وہ ہلاک ہو گئیں۔ فرمایا۔ میں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ (یہاں ایک عجیب جملہ فرمایا جس میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے) فرمایا: یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہے (ولو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذہا اللہ) لقطعت یدھا)

فاطمہ بنت محمدؐ میری بیٹی (جو "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" ہے) خدا اس کی حفاظت کرے۔ اگر اس کے ہاتھ سے بھی خدانخواستہ چوری ہو جائے تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دوں۔ تو یہاں اسلام کے اندر امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں۔ تو یہ بڑی متعجب بات ہے کہ صدر اور وزیراعظم کو بمقابلہ حکم خداوندی سے آئین جبکہ ہم نے طے کیا ہے کہ یہاں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہیں ہو گی۔ ہاں ایک ہیں تعزیرات۔ حدود اور قصاص میں تو کسی کو اختیار نہیں پہنچتا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ میرا بھی اختیار نہیں ہے تو دنیا کے صدروں کو کیا اختیار ہو گا۔ البتہ تعزیرات کہ سیاستاً سزاؤں میں کمی بیشی کر دی جائے۔ فرض کیجیئے کہ شراب نوشی کا دَور دورہ ہو۔ ایک شخص بار بار حد قائم ہونے کے بعد بھی منع نہ ہو۔ چار پانچ دفعہ شراب پی لے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسے قتل کر دو۔ یہ "سیاستہً" ہے، "حداً" نہیں قاضی کو اس کا اختیار دیا گیا ہے۔ تعزیرات میں صدر تخفیف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن سزائے موت جو قصاص اور قتل کرنے کی صورت میں ہو تو مقتول کا خون ضائع کر کے صدر اسے ساقط نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔

آئندہ نسلیں کیا کہیں گی

الغرض آئین میں کچھ باتیں اچھی بھی ہیں لیکن اگر زیادہ تر اسلامی امور کا لحاظ نہ رکھا گیا تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں چاہیئے کہ آئندہ نسلوں کے لیے اسلامی آئین پیش کر دیں کہ وہ یہ نہ کہیں کہ جس آئین کے لیے سات کروڑ مسلمانوں کو ہندوستان میں غلام بنایا گیا تھا۔ جس آئین کے لیے پچیس سال پہلے ہزاروں افراد شہید ہوئے، لاکھوں عصمتیں لٹیں۔ پیپلز پارٹی نے اسے اپنی اکثریت اور تسلط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے زور سے مسترد نہ کیا ہوتا تو مسلمانوں کی قربانی کام آتی۔ دوسری صورت میں آئندہ نسلوں کا کیا ردِ عمل ہوگا؟

جنابِ والا! میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ مسئلہ نہ حزبِ اختلاف کا ہے نہ حزبِ اقتدار کا، بلکہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے تو اسے خلوصِ دل اور ایمانداری سے مرتب کریں کہ لوگ ہمیں دعائیں دیں اور خدا بھی خوش ہو اور یہ تب ہو گا کہ ایسی فضا پیدا کریں کہ چپقلش اور منافرت نہ رہے اور ہر شخص کو ٹھنڈے دل سے پوچھنے کا موقع مل سکے۔ اگر پیپلز پارٹی یہ کہے کہ چونکہ ہم برسرِ اقتدار ہیں اور فلاں دفعہ کو منظور کرانا وقار کا سوال ہے۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہم لوگوں کی اکثریت ہاں کہ کرا سے ہر حالت میں پاس کر دے گی۔ تو کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ آئین پر ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ہم حزبِ اختلاف والوں کو بھی چاہیئے کہ ہم اس نقطۂ نگاہ سے کام نہ لیں کہ یہ مسودہ چونکہ ہمارے ان بھائیوں نے پیش کیا ہے اس میں ضرور ہر جگہ کچھ نہ کچھ تنقید کرنی ہے۔ جتوئی صاحب (عبدالحمید صاحب جتوئی) پیپلز پارٹی میں ہیں لیکن انہوں نے کتنی اچھی باتیں کہیں جو ان کی صوابدید میں درست تھیں یہی ہر سب ارکان کو اپنانا چاہیئے۔ ہم قوم کے مفاد، افراد کے مفاد، اسلام کے مفاد میں جو بھی بات ہو گی اس کی ترمیمیں پیش کریں گے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

بقیہ: عورت کی حکومت باعثِ زوال ہے

پائی جا سکتی ہیں۔

مسٹر سپیکر: مولانا یہ ترمیم نہیں ہے۔

مولانا عبدالحق: تو ظاہر بات ہے کہ مرکزِ شجاعت خدا نے مردوں کو بنایا ہے۔ کل ایک محترمہ نے تجویز پیش کی ہے کہ خواتین کے لیے ہر شعبہ میں حصہ ہونا چاہیئے یہاں تک کہ افواج میں بھی تو میں کہتا ہوں آج ہماری ۹۳ ہزار کی فوج کافروں کے قبضہ میں ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ عورتیں ہوتیں تو آج ایسی فوج کا کیا حشر ہوتا اور ہمارے لیے کتنی بدنامی ہوتی۔ ہمارے لیے دنیا میں رہنے کی صورت ہی نہ ہوتی۔ یہاں میں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں — کسریٰ کی بیٹی جب تخت نشین ہوئی اور آنحضرتﷺ کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا لن یفلح قوم تملکھم امراۃ (ہرگز نجات نہیں پا سکتی وہ قوم جس کی بادشاہ ایک عورت ہو)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو شکست ہوئی۔ برطانیہ کی حکومت اتنی عظیم تھی کہ جس میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا، مگر جب سے ملکہ وکٹوریہ اور الزبتھ ٹیلر تخت نشیں ہوئیں تو سلطنت پر زوال آنے لگا اور بالآخر وہ ایک جزیرہ میں محصور ہو کر رہ گئی تو خدا نے مردوں کو جو شجاعت دی ہے ظاہر بات ہے کہ وہ صنفِ نازک کو عطا نہیں ہوئی اور وہ کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتا۔

بقیہ: مولانا عبدالحقؒ کی مساعی

اسلامی احکام کے تابع ہونا چاہیئے۔

۵۔ دفعہ ۱۹ بابت آزادئ تحریر و تقریر میں ترمیم ۲۲۶ پیش کی کہ پاکستان کی سالمیت، دفاع اور امن عامہ وغیرہ جیسے متوعات میں اسلام، نظریۂ پاکستان اور اکابرِ اسلام کی توہین کی اجازت نہ ہوتا کہ کسی شہری کو بنیادی نظریۂ اسلام اور اکابرِ اسلام کی توہین کی اجازت نہ ہو۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
برسوں مجھے گلشن کی فضا یاد رکھے گی

© rasailojaraid.com